یونٹس کو انکار نہیں کر سکتے۔ یہ سمجھیں کہ ہم بابا جی کا گھر ہیں، پوتوں، نواسوں کی خبر گیری لازم ہے۔ سال بھر بعد پھر یہی صورت حال پیش آئی۔ پھر جانا ہوا، وہی گرمجوشی اور وہی پند و نصائح۔ کہنے لگے: ہماری ملاقات کہیں ہوئی ہے؟'' میں نے کہا: اسی آفس میں، اسی کام کے لیے، سال بھر پہلے۔ تیسری بار مجھے رمضان المبارک میں لال کرتی کیمپ جانا پڑا۔ افطاری کا وقت گزر چکا تھا۔ MES کے سپروائزر کہیں گئے ہوئے تھے، میں انتظار کے لیے مسجد میں آ بیٹھا۔ مسجد کے برآمدے کے دوسرے کونے پر ایک نیک سیرت انسان نوافل میں مشغول تھا۔ 35 منٹ گزرنے کے بعد میں نے مسجد کے خادم سے پوچھا: کون صاحب ہیں؟ اس نے کہا: کیا آپ اس مسجد میں نہیں آتے؟ میں نے کہا: نہیں۔ اس پر خادم نے بتایا: ''ان صاحب کا رمضان المبارک میں مغرب تا عشاء نوافل ادا کرنا معمول ہے۔ اور یہ ہمارے ہیرو جناب ایم ایم عالم صاحبؒ ہیں۔''

اعزازات اور وفات: اس مایہ ناز ہوا باز کو خدمات کے صلے میں دو مرتبہ ''ستارہ جرأت'' کا اعزاز ملا۔ یہ پاسبانِ وطن دمے کی بیماری میں مبتلا تھا۔ 18 مارچ 2013ء کو الشفا ہسپتال میں ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جدا ہو گیا۔

﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن — قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن
فطرت کا سرودِ ازلی اس کے شب و روز — آہنگ میں یکتا، صفت میں سورۂ رحمان

❁❁❁❁

❁ آسمان پر اڑتے ہوئے پرندے سے کسی نے پوچھا: تمہیں نیچے گرنے کا ڈر نہیں لگتا؟
اس نے مسکرا کر جواب دیا: میں انسان نہیں، جو ذرا سی بلندی پر پہنچ کر مغرور ہو جاؤں۔ میں چاہے کتنی بلندی پر چلا جاؤں، مگر نظریں میری زمین پر ہوتی ہیں۔

❁ جانور میں ''عقل'' اور فرشتے میں ''خواہش'' نہیں ہوتی۔ انسان میں دونوں ہوتی ہیں، اگر اس کا عقل خواہش پر غالب آئے تو وہ ''فرشتے سے بہتر'' ہوتا ہے؛ اگر اس کی خواہش عقل پر غالب ہو جائے تو انسان ''جانور سے بدتر'' ہوتا ہے۔

❁ موت انسان کے جسم کو آتی ہے، کردار کو نہیں۔ لہٰذا اپنے کردار کو بہتر بناؤ، تاکہ مرنے کے بعد بھی یاد رکھا جائے۔

❁ عقل مند جب خاموش ہوتا ہے، تو ''غور و فکر'' کرتا ہے۔ جب بولتا ہے تو ''ذکر'' کرتا ہے۔ اور جب دیکھتا ہے تو ''عبرت حاصل'' کرتا ہے۔ اے اللہ! ہمیں اپنا بنا لے۔

مرسلہ: حافظ مقصود احمد

احیائے سنت وردّ بدعت میں علماء کا داعیانہ کردار

الشیخ محمد ابراہیم فیضلی حفظہ اللہ — تدوین وتہذیب: عبدالرحیم روزی

حضراتِ علماء! اللہ تعالیٰ طرف سے علمی اور معاشی صلاحیت' غرض ہر لحاظ سے جو احسانات آپ پر ہیں، ان کی "شکرگزاری" کے درج ذیل تقاضے اور متطلبات ہیں:

۱۔ اخلاص نیت کے ساتھ نہ صرف خود حکم الٰہی بجالائیں، بلکہ معاشرے میں بھی شریعت کے پیغام کو پھیلائیں۔ اور کمربستہ ہوکر خلق الٰہی کو چشمہ صافی کا پانی پلائیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر اسی طرح ادا ہوجاتا ہے۔ کوئی بھی یہ نہ کہے کہ مجھے ملا ہوا رزق میرے صبر اور ﴿إِنَّمَآ أُوتِيتُهُۥ عَلَىٰ عِلْمٍ عِندِىٓ﴾ کی بنیاد پر ہے۔ الٰہی قانون ہے کہ "پاداش عمل از جنس عمل" کسی نعمت کی ناشکری کرنے سے وہ نعمت چھن بھی سکتی ہے۔ ﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِى لَشَدِيدٌ﴾

نبی اکرم ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے تمام گزشتہ وآئندہ کی خطا قصور سے پاک کردیا، تو آپ بے فکر ہو کے نہیں رہے؛ بلکہ پہلے سے زیادہ بقائے نعمت وتحفظ کے لیے اللہ تعالیٰ کی مزید زیادہ بندگی بجالاتے ہوئے ارشاد فرمایا: "أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا" یہی حال صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کا تھا۔ جب انھیں ﴿رَّضِىَ ٱللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا۟ عَنْهُ﴾ اور "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ" کی ڈگری ملی تو وہ مقدس ہستیاں پہلے سے بڑھ کر رضائے الٰہی کے حصول میں جُت گئے۔ اور انہوں نے دھوکہ نہیں کھایا۔

۲۔ جس کے ساتھ آپ کا معاہدہ ہوتا ہے؛ معاہدے کو نباہنے کے لیے نفاق اور کام چوری جیسی مذموم صفات سے بچتے ہوئے اپنی تدریسی ذمہ داری بجالائیں۔ کسی قسم کی کوتاہی کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہ کسی بھی مدرس کے لیے جائز نہیں کہ معاہدہ کے بعد تنخواہ کی قِلّت کو جواز بناتے ہوئے متعلقہ ادارے میں کام چوری کرے۔ وہ مدرس اچھی طرح ڈیوٹی دے یا استعفیٰ پیش کرے؛ وگرنہ اس کی خیانت ہوگی۔

۳۔ علمائے کرام احیائے سنت مطہرہ اور ردشرک وبدعات پر خصوصی توجہ مبذول کریں۔ ہمارے معاشروں میں اب تک کافی بدعات طمطراق کے ساتھ موجود ہیں "لات ومناۃ جواں ہیں"۔ ہمارے اسلافؒ کے دور میں یہ چیزیں موجود تھیں، تو اس کی توجیہ یہ ہے کہ کچھ بدعات ایسی ہیں، جنہیں لاشعوری طور پر وہ انہیں بدعت سمجھتے نہیں تھے۔ برصغیر میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ اور وہ دور بھی شروع دعوتِ اہلحدیث کا تھا، لہٰذا وہ علماء اس سے اہم تر مصلحتوں کا خیال رکھتے ہوئے سختی کے ساتھ

پیش نہیں آئے۔ بلکہ أهون البليتين يا أخف الضررين کے قاعدے پر عمل کیا۔ اور وہ بدعت چلتی رہی۔

علیٰ سبیل المثال یوگو میں سوموار کو شادی نہیں کی جاتی تھی، اسے برکت و وقار کے منافی قرار دیا جاتا تھا۔ مختلف قسم کے عُرس منعقد کیے جاتے اور ان مواقع پر مسجد میں کھانا لایا جاتا۔ ہمارے یوگو میں کسی کے مرنے پر "نَفِل" کے نام سے فوتید گی والے گھر سے سالم بکری پکا کے مسجد میں لائی جاتی اور ایک ایک عضو کو گن لیا جاتا۔ ایک آدھ عضو کی غیر موجودگی کی صورت میں جرمانہ عائد کیا جاتا۔ خود ہمارے قبیلے پر جبکہ ہم چھوٹے تھے، اس حوالے سے مبلغ آٹھ آنے جرمانہ عائد کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقامی علماء نے جدوجہد کر کے ان رسومات کو ختم کیا۔ دعوتِ ولیمہ شادی سے قبل محض کام نمٹانے کے لیے دی جاتی تھی۔ ہم نے لفظ "ولیمہ" کے پس منظر اور رسول اکرم ﷺ کی عملی زندگی کے تناظر میں اس دعوت کو شادی کے بعد رکھا۔ فرض نماز کے بعد نبی اکرم ﷺ سے غیر ثابت طریقے کو اہتمام کے ساتھ فرض کی طرح سمجھتے ہوئے اجتماعی دعا کا التزام کیا جاتا۔ ایمان کی تعریف میں الإيمان بسيط و البسيط لايتجزأ کے منطقی قاعدے کو قرآنی وحدیثی قاعدے کی حیثیت بلکہ اس پر فوقیت دینے کی غلطی کی جاتی تھی؛ اس کی وجہ ان مفاہیم کے حامل مدارس میں تعلیم کا حصول تھی۔ "**المرء على دين خليله**". اللہ کے فضل و کرم سے ان مفاہیم کی بھی اصلاح کی گئی۔

احیائے سنت اور ردِ بدعات خود اپنے گھر سے، اپنی ذات سے شروع کیے بغیر سنت کا احیاء اور بدعت کا خاتمہ ممکن نہیں۔ مثال کے طور پر غواڑی میں ایک رشتہ دار اور دوست کی بیٹی کی شادی میں شرکت کا موقع ملا، تو یہ دیکھنے اور سننے میں آیا کہ یتیمہ بچی عصر کے وقت قبرستان جا کر اپنے والد مرحوم سے اجازت لینے کے لیے حسب مروّجہ رسم جانے کا ارادہ رکھتی ہے۔ چنانچہ مُردوں سے اجازت لینے کا یہ غیر ثابت طریقہ مقامی اور قریبی رشتہ داروں سے مل کر ختم کیا گیا۔

کسی کے مرنے کے فوراً بعد خصوصی طور پر اہتمام کرتے ہوئے قبر پر فاتحہ کے لیے جانا، اجتماعی ختم قرآن کرنا، حالانکہ عام حالات میں اور سال بھر قبر کی زیارت' حکم نبوی کے باوجود نہیں کرتے۔ گھروں میں خود قرآن کریم نہیں پڑھتے اور جس طرح حصول برکات وقضائے حاجات کے لیے قرآن کریم پڑھنے اور دعا کرنے کے نبوی احکام پس پشت ڈالتے ہیں۔ عملی زندگی میں قرآن کریم کو طاقِ نسیان میں رکھتے ہیں۔ مگر یہ جو مروجہ طریقے ہیں، وہ نبی اکرم ﷺ سے، صحابہ کرام ﷺ سے ثابت نہیں۔ اور قیاسِ مذموم سے استدلال لیتے ہوئے ایسے غیر ثابت طریقے اختیار کرتے ہیں۔ امام شاطبیؒ کا ارشاد ہے: "یاد رکھیں کہ کسی بھی عبادت کے ثبوت اور طریقہ وکیفیت کے لیے قرآن کریم اور احادیث مبارکہ سے دلیل چاہیے۔" اور علماء کا یہ معروف قاعدہ وضابطہ ہے، جو کتاب اللہ وسنت رسول اللہ ﷺ سے ہی ماخوذ ہے کہ "تمام عبادات توقیفی ہیں، یعنی اس کی

بجا آوری کے لیے شریعت محمدی سے ثبوت چاہیے۔'' جب تک شریعت سے ثابت نہ ہو اس خود ساختہ عبادت کو بجالانا حرام ہے۔ جبکہ معاملات اور خورد ونوش وغیرہ حلال ہیں، جب تک شریعت سے منع ثابت نہ ہو۔'' ☆

اگر کوئی لاعلمی سے بدعت کا ارتکاب کرے، جو خود بدعت کی طرف داعی تو نہ تھا، تو اس قسم کے لوگوں کے متعلق علامۃ الشام ناصر الدین البانیؒ نے فرمایا ہے: ''ان لوگوں کو اگر مبتدع نہ کہا جائے تو ''وقع فی البدعة'' کہا جائے گا۔'' جبکہ علمائے حرمین کے نزدیک تو بدعت کا مرتکب ہونے والے کو شدید منکر کا مرتکب قرار دیا جاتا ہے، اور وہ ان پر شدید نکیر کرتے ہیں۔ شیخ البانیؒ سے پوچھا گیا کہ علامہ ابن حجرؒ اور نوویؒ وغیرہ بھی کبھی ہفوات کرتے ہیں، کیا ان کی کتابیں نہ پڑھی جائیں؟ فرمایا: ''سبحان اللہ! ان دونوں بزرگوں کی کتابوں فتح الباری، شرح مسلم وغیرہ میں علم غزیر ہے۔ ان کو ترک کرنے سے پھر علم کہاں ملے گا؟ یہ لوگ مبتدع ہرگز نہیں، وقع فی البدعة احیاناً کہا جا سکتا ہے۔

☆ اسی لیے سلف میں سے ایک نے کہا ''میں نماز بالکل نہ پڑھتا، اگر وہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہوتی، زکاۃ نہ دیتا اگر اللہ اور رسول اللہ ﷺ اس کا حکم نہ دیتے۔'' ❁ بعض سلفؒ نے کہا'' كل عبادة لم يتعبد ها أصحاب رسول الله ﷺ فلا تتعبدوها '' کہ ہر وہ عبادت جو صحابہ رسول ﷺ نے نہیں کیا، تم بھی اسے نہ کرو۔''

❁ امام شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے فرمایا: '' الأصل في العبادات المنع إلا لنص ،وفي العادات الإباحة إلا لنص'' ''عبادات میں اصل منع ہے، الا یہ کہ کوئی آیت یا حدیث موجود ہو، جبکہ عادات وتقالید میں جواز ہے، الا کوئی نص/نقل موجود ہو۔''

❁ علامہ البانیؒ نے لکھا ہے کہ ''مما يجب التنبه له،ان ما ثبت كونه وسيلة كونية ، فإنه يكفي في إباحته والأخذ به أن لايكون في الشرع النهي عنه، وفي مثله يقول الفقهاء:''الأصل في الأشياء الإباحة''وأما الوسائل الشرعية فلا يكفي في جوازالأخذ بها ان الشارع الحكيم لم ينه عنها، كما يتوهمه الكثيرون، بل لابد فيها من ثبوت النص الشرعي المستلزم مشروعيتها واستحبابها ، لأن الاستحباب شئ زائد على الإباحة ، فإنه مما يتقرب إلى الله ، والقربات لا تثبت لمجرد عدم ورود النهي عنها'' ترجمہ ''اس امر کی طرف بھی توجہ کرنا واجب ہے کہ جو چیز کوئی فطری وسیلہ ہونا ثابت ہو، اس کے جائز ہونے، اس سے فائدہ اٹھانے اور استعمال کرنے کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ شرع متین میں اس پر منع نہ آیا ہو۔ اسی مفہوم میں علماء فرماتے ہیں کہ اشیاء میں اصل جواز ہے۔ لیکن جہاں تک شرعی وسائل (وسیلہ کی جمع) کا تعلق ہے، اس کے جواز میں یہ کافی نہیں کہ شریعت مطہرہ نے منع نہیں کیا ہے، جیسا کہ بہت سے وہم کے شکار لوگ کہتے اور سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کے لیے شریعت سے نص کا ہونا ضروری ہے، جو اس کی مشروعیت اور مستحب ہونے کو ثابت کرے۔ یہ اس لیے کہ مستحب ہونا، مباح ہونے پر ایک زائد چیز ہے، کیونکہ اس کے ذریعے اللہ کا قرب حاصل کیا جاتا ہے۔ اور قربات صرف نہی وارد نہ ہونے سے ثابت نہیں ہوتے۔'' [التوسل: انواعه واقسامه ص۲۸ ط:دار السلفية ۱۹۸۵ء]

ان علماء کو سخت متنبہ ہونا چاہیے' جو احیائے بدعت میں میری شنید کے مطابق پیش پیش رہتے ہیں۔ اب جتنے لوگ ان کو دیکھ کر خلافِ شریعت اور غیر ثابت عبادت کریں گے، ان کا گناہ ان علماء کے سر آئے گا۔ ارشاد نبوی ہے "**من سن سنة سيئة فعليه وزرها ووزر من عمل بها**"

حضرات علماء! عوام الناس دینی امور میں علماء کی طرف دیکھتے ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر عمل کرتے ہیں۔ ایک بار مدینہ یونیورسٹی میں طلب علم کے دوران جاتے وقت اسلام آباد پاسپورٹ آفس گیا۔ مدیر کے ساتھ پاسپورٹ اور شناختی کارڈ کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ آپ کہاں رہتے ہیں اور کیا کرتے ہیں؟ میں نے کہا کہ میں مدینہ یونیورسٹی کا طالب علم رہا ہوں اور اب وہاں سے پڑھ کر آیا ہوں۔ اس بات پر اس نے دوسرے دفاتر میں موجود ساتھیوں کو بھی بلایا اور کہا کہ صحیح عقیدہ جاننے والے تو یہ لوگ ہیں جو سعودی جامعات کے پڑھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم، احادیث مطہرہ کا ذخیرہ اور اسلامی عقیدہ تو عربی میں ہے۔ اور یہ لوگ براہ راست عربی پڑھے ہوئے ہیں۔ لہٰذا عربی جاننے والوں کے علاوہ دوسرے لوگ صحیح عقیدہ نہیں جانتے۔

ردّ بدعات میں ایک کارگر طریقہ یہ ہے کہ بدعات وخرافات کو سختی سے ختم کریں، لوگوں کو منع کریں۔ ہمیشہ لچکداری سے برائی ختم نہیں ہوگی۔ مولانا عبدالرحیم بن محمد علیؒ نے باقر کالونی میں سختی سے منع کیا تو ''نافل'' وغیرہ وہاں ختم ہوا؛ جبکہ مولانا عبدالقادرؒ وغیرہ نے نرمی کی، تو دیر تک ختم نہ ہوا۔ اگر معاشروں کی مصلحت بتا کر غیر ثابت شدہ عمل کرتے رہیں، تو کبھی یہ سلسلہ نہ رکے گا۔ اگر معمولی سی جرأت کا مظاہرہ کر کے روک لے یا باز رہے، تو جلد از جلد ختم ہوگا۔ "**خير الهدي هدي محمد ﷺ وشر الأمور محدثاتها**"

دوسری چیز احیائے سنت کا معاملہ اہم ہے۔ بالخصوص نماز میں، جیسے **رفع اليدين إلى شحمة الأذنين، قعده، وضع اليدين على الصدر، آمين بالجهر**، ٹخنوں کے ساتھ ٹخنوں کو ملانا، خشوع وخضوع کا التزام، قبلی وبعدی سنن رواتب کا پڑھنا وغیرہ۔ اگر علماء ان سنتوں کو ترک کریں، تو جہلاء فرض نماز چھوڑ دیں گے۔

علماء کو اور مسلمانوں کو اپنے عمل سے عوام کو مائل کرنا چاہئے۔ جسے جدید اصطلاح میں ''باڈی لنگویج'' کہتے ہیں۔ یعنی ''الاتباع بالأسوة الصامتة'' ہندوستان، انڈونیشیا، فلپائن اور افریقہ وغیرہ میں اسلام جہاد سے نہیں پھیلا، نہ مبلغین کی کوئی جماعت گئی۔ بلکہ مسلمان تاجر لوگ گئے، وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، نہایت امین ودیانتدار لوگ تھے۔ وہاں کے باشندگان کو ان تاجروں کا یہ خاموش عمل اور کردار کی دعوت خوب پسند آئی اور متأثر ہو کر اسلام قبول کرتے چلے گئے۔

حضرات علماء! بہت سے پرانے علماء کی عملی زندگی کی روشنی میں یہ قاعدہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر مدرس، شیخ الحدیث، شیخ القرآن وغیرہ عامل بالسنہ نہیں ہوتا۔ ہمارے برصغیر ہی میں ایسے بہت سے علماء کی مثالیں ہیں، جو زندگی بھر قرآن کریم اور احادیث شریفہ پڑھاتے رہے، مگر ماحول کے اثر سے یا غیر شعوری طور پر سنت وبدعت کے حوالے سے غلطیوں کے مرتکب تھے۔ اسماء وصفات میں تاویل کرتے تھے۔ بعض لوگوں کو تنبیہ کرنے پر اعتراف کرتے کہ ہمیں اس کا شعور ہی نہ تھا۔ بہت سارے لوگ ایسے بھی تھے، جو صحیح اور ضعیف حدیث پیش کرنے میں تمیز نہیں برتتے تھے۔ اس بارے میں سعودی جامعات کے فارغ التحصیل طلباء کا قابل فخر کردار ہے، انہوں نے عقیدے میں بڑی اصلاحات کیں۔

اگر کوئی مصنف اپنی کتاب میں قابل اعتراض وقدح واقعہ یا اقتباس نقل کرے، مگر تردید نہ کرے، تو وہ اسی مصنف کا بھی عقیدہ ونظریہ سمجھا جائے گا۔ لہٰذا مؤلف کو قابل اعتراض نقول کی تردید بھی ضروری ہے۔ سید ابوالحسن علی ندویؒ کی بعض کتابوں میں اس کی مثال دی جاسکتی ہے۔ اگرچہ موصوف علم وفضل کے لحاظ سے ایک بحر ذخّار اور واجب الاحترام ہستی ہے۔ لیکن ہر انسان خطاً کا پتلا ہے، سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔

مولانا عبداللہ غزنویؒ ان عالم باعمل لوگوں میں شامل تھے، جنہوں نے زمانہ طلب حدیث میں بھی اپنے اساتذہ سید نذیر حسین دہلویؒ وغیرہ اور معاشرہ پر گہرے نقوش چھوڑے۔ غزنوی صاحبؒ کا ساتھی مولانا عبداللہ غازی پوریؒ بھی ہے۔ سید ابوبکر غزنویؒ نے " أبــی وسیــدی" نامی کتاب میں لکھا ہے کہ مولانا غزنویؒ موصوف نے سید نذیر دہلویؒ کو خط وکتابت کرکے اجازت مانگی کہ میں سند حدیث کے لیے آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ قصہ مختصر، انہوں نے بذریعہ خط ریلوے اسٹیشن پر آمد کی تاریخ اور وقت سے شیخ الکل کو مطلع کیا۔ ریلوے سٹیشن پہنچے تو ایک بوڑھا آدمی آیا اور پوچھنے کے بعد غزنوی صاحبؒ کا سامان سر پہ لاد کر لے گیا اور مسجد میں رکھا۔ غزنویؒ نے مؤذن سے پوچھا کہ شیخ الکل سید نذیر صاحبؒ کہاں تشریف فرما ہیں؟ ہم ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ مؤذن نے کہا کہ جو شخص تمہارا سامان سر پر لاد کر لایا تھا، وہی سید نذیر صاحبؒ ہیں، ابھی تمہارے کھانے کا بندوبست کرنے گئے ہوئے ہیں، تھوڑی دیر بعد آئیں گے۔

واقعہ ہٰذا میں ہمارے لیے کئی اسباق ہیں۔ اس دور کے علماء کا تواضع، علم دوستی، طلباء کی عزت واحترام، اور ان کی قدر ومنزلت کی پہچان، عملی طور پر طلباء وعوام میں گہرے اور مؤثر نقوش مرتب کرنا، اخلاق نبوی کی عملی تفسیر وغیرہ عالی صفات۔ جب غزنوی صاحبؒ ایک سال بعد فارغ ہوکر واپس چلے گئے تو نذیر حسین صاحبؒ کا تبصرہ اس طرح تھا: "عبداللہؒ حدیث ہم سے پڑھ کر گئے اور نماز پڑھنا ہمیں سکھا کر گیا۔" اس کی جیتی جاگتی مثال یہ واقعہ ہے کہ ایک بار امرتسر کی مسجد میں موصوف نے